© rasailojaraid.com

ڈاکٹر محسن مظفر نقوی
رکن، اسلامی نظریاتی کونسل

مسلم شناخت

تاریخی و عمرانی مطالعہ

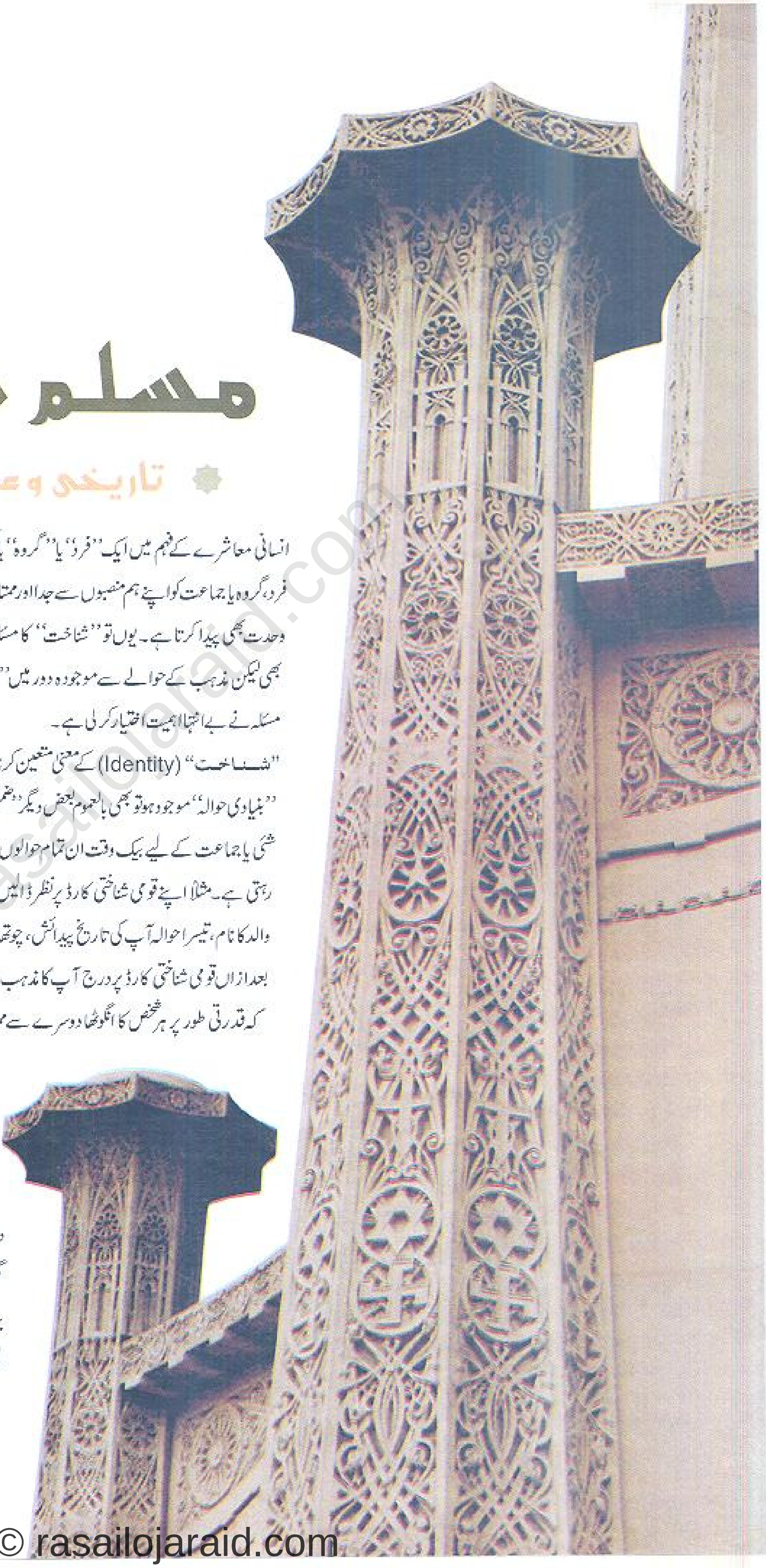

انسانی معاشرے کے فہم میں ایک ''فرد'' یا ''گروہ'' یا کسی ''جماعت'' کا مسئلہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ یہ نہ صرف فرد، گروہ یا جماعت کو اپنے ہم منصبوں سے جدا اور ممتاز کرتا ہے بلکہ باہمی و مشترکہ شناخت کی بنیاد پر ایک احساسِ وحدت بھی پیدا کرتا ہے۔ یوں تو ''شناخت'' کا مسئلہ ''عمرانی نفسیات'' کا موضوع ہے اور خود انسانی نفسیات کا بھی لیکن مذہب کے حوالے سے موجودہ دور میں ''تہذیبوں کے تصادم'' کے نظریے کے تحت ''شناخت'' کے مسئلہ نے بے انتہا اہمیت اختیار کر لی ہے۔

''شناخت'' (Identity) کے معنی متعین کرنا مشکل ہی نہیں تقریباً ناممکن ہیں، کیونکہ ''شناخت'' میں ایک ''بنیادی حوالہ'' موجود ہو تو بھی بالعموم بعض دیگر ''ضمنی حوالے'' بھی اپنی اہمیت رکھتے ہیں اور بسا اوقات کسی فرد، شئی یا جماعت کے لیے بیک وقت ان تمام حوالوں کے ذریعے شناخت پیدا ہوتی ہے ورنہ شناخت معدوم یا مبہم رہتی ہے۔ مثلاً اپنے قومی شناختی کارڈ پر نظر ڈالیں تو آپ کی شناخت کا پہلا حوالہ آپ کا نام، دوسرا آپ کے والد کا نام، تیسرا حوالہ آپ کی تاریخ پیدائش، چوتھا حوالہ آپ کی جائے پیدائش، پانچواں حوالہ پیدائش کا ضلع۔ بعد ازاں قومی شناختی کارڈ پر درج آپ کا مذہب، اور پھر آپ کی ریاست کا نام، آپ کی تصویر اور نشان انگوٹھا کہ قدرتی طور پر ہر شخص کا انگوٹھا دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے۔ یہ سب شناختی حوالے قانونی ضرورت کو پورا کرنے کے علاوہ آپ کے ''تشخص اور انفرادیت'' کو متعین کرتے ہیں۔ اس کو شناخت کہتے ہیں۔

آپ کے ہم نام کئی سو افراد ہو سکتے ہیں لہذا آپ کی شناخت کچھ اضافے کی متقاضی ہے لہذا والد کا نام درج کیا جاتا ہے کہ عموماً دو افراد کے والد کا نام ایک نہیں ہوتا مگر قوی امکان ہے کہ دو افراد کی تاریخ پیدائش بھی وہی ہو تو یہاں امتیاز کی بنیاد پیدائش کا شہر اور پھر ضلع ہے۔ یہ غیر مرئی یعنی نہ دکھائی دینے والی علامات ہیں لہذا ظاہری شناخت کے لیے اس پر آپ کی تصویر ضروری ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن اس میں جعل سازی ہوسکتی ہے مثلاً جڑواں بچے اتنے مشابہ ہوتے ہیں کہ والدین کے لیے بھی ان کی شناخت مشکل ہوتی ہے۔ بڑے ہوکر بھی یہ مشکل باقی رہتی ہے تاوقتیکہ دونوں کوئی مستقل مابہ الامتیاز شناخت اختیار نہ کرلیں مثلاً ایک ڈاڑھی رکھ لے اور دوسرا نہ رکھے وغیرہ۔ لیکن انگوٹھے کا نشان ایک دوسرے سے مختلف ہونا طبعی ہے لہٰذا ''شناخت'' مشکل یا مبہم ہونے کی صورت میں انگوٹھے کا نشان واحد ''شناختی علامت'' قرار پاتا ہے۔

پھر معاشرتی اعتبار سے ایک فرد اپنی شخصیت میں متعدد حوالوں سے مختلف شناختیں رکھتا ہے، جو مختلف طبقات کے لیے مختلف ہوتی ہیں، مثلاً ''ڈاکٹر صاحب ہیں'' ''وہ میرے والدین ہیں''۔ ''وہ میرے دادا ہیں'' ''وہ میرے گہرے دوست ہیں''۔ ''وہ میرے چچا ہیں'' وغیرہ وغیرہ گویا مختلف افراد کے لیے اُن صاحب کی ''شناخت'' مختلف ہے۔ بادی النظر میں ''شناخت'' ایک مبہم تصور ہے، جو اپنے معنی کے تعین کے لیے کسی ''حوالے'' کا محتاج ہوتا ہے، نیز ''شناخت'' کے حوالے متعدد ہوسکتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ایک حوالہ ایک فرد یا کئی افراد کے لیے ذریعہ شناخت ہو اور دوسروں کے لیے وہ ایسا نہ ہو۔

معاشرتی اور سماجی سطح پر شناخت کا مسئلہ ''رواج'' سے وابستہ ہوتا ہے اور ''رواج'' ہی ''شناخت اور اُس کے حوالے'' کو متعین کرتا ہے۔ بسا اوقات ان ''شناختی حوالوں'' کو تبدیل کرنا فرد کے بس میں نہیں ہوتا اور نہ ہی افراد انھیں تبدیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً انڈونیشیا کے جزیرہ بالی کے باشندوں میں شناخت کی جو صورت رائج ہے بعض قارئین کے لیے وہ حیران کن ہوسکتی ہے۔ بالی میں وقت پیدائش بچے کو ایک نام دے دیا جاتا ہے مگر وہ شاذ و نادر ہی اسے استعمال کرتا ہے۔ اس کے برخلاف اس معاشرے میں پیدائش کی ترتیب کے لحاظ سے بچے کو پکارتے ہیں مثلاً پہلا، دوسرا، تیسرا اور چوتھا۔ چوتھے بچے کے بعد پانچویں کو وہ پھر ''پہلا'' کہتے ہیں اور چار تک پہنچنے کے بعد پھر وہی چکر دوبارہ شروع ہوتا ہے۔ ایک دوسرا طریقہ کنیت سے ملتا جلتا ہے مثلاً عبداللہ کی ماں/باپ اور محمد کی دادی وغیرہ۔(۱)

''شناخت'' اور ''شناختی حوالوں'' کے متعدد ہونے کے اعتبار سے، اس تمہیدی گفتگو کے بعد، اگر ہم قوموں، گروہوں، مذاہب کے پیروکاروں اور ''پیشہ وروں'' وغیرہ کے متعلق غور کریں تو ان میں سے ہر ایک انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر ''شناخت'' کے مختلف اور متعدد حوالے رکھتا ہے۔ آئندہ سطور میں ہم اس امر پر اسلام اور مسلم مکاتبِ فکر کے حوالے سے گفتگو کریں گے۔

کسی مذہب، فلسفے یا نظریے اور اس سے پھوٹنے والے مکاتبِ فکر میں شناخت کا مسئلہ اوّلین طور پر اس کے بنیادی عقائد، بنیادی فلسفے یا نظریے سے متعلق ہوتا ہے۔ دوسرے پہلو سے اس کے ماننے والوں کی ظاہری یا طبعی شناخت بھی ہوتی ہے جسے یہ لوگ خود ہی اختیار کرلیتے ہیں۔ سب سے پہلے ہم اسے ''اسلام'' اور پھر ''مسلمان'' کی شناخت کے حوالے سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس پس منظر میں درج ذیل نکات قابل غور ہیں:۔

کسی مذہب، فلسفے یا نظریے اور اس سے پھوٹنے والے مکاتبِ فکر میں شناخت کا مسئلہ اوّلین طور پر اس کے بنیادی عقائد، بنیادی فلسفے یا نظریے سے متعلق ہوتا ہے۔ دوسرے پہلو سے اس کے ماننے والوں کی ظاہری یا طبعی شناخت بھی ہوتی ہے جسے یہ لوگ خود ہی اختیار کرلیتے ہیں۔

۱۔ ''اسلام'' کا پہلا حوالہ جو قرآن سے ہمیں ملتا ہے وہ یہ کہ اسلام اللہ کا دین ہے:

إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ. (آل عمران۳:۱۹)

''بے شک اللہ کے نزدیک دین اسلام ہے''۔

۲۔ اسلام سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے متعدد انبیاء کو یہ دین دے کر بھیجا اور اسلام کا خاندان وہی ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ. (الشوریٰ:۱۳)

''دین تمہارے لیے وہی شروع ہوا ہے جس کی وصیت نوح کو کی گئی تھی اور جو تمھیں وحی کیا گیا ہے ہمارے طرف سے اور جس کی ہم نے وصیت کی ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو کہ دین کو قائم کرو، اور اے لوگو اس میں افتراق پیدا نہ کرو''۔

اس آیۂ مبارکہ سے پتہ چلا کہ ''دین'' کا شجرہ نسب بھی وہی اور خود نبی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کریم ﷺ کی نبوت کا شجرۂ نسب بھی وہی ہے۔

۳۔ تیسرا مشترک حوالہ اسلام اور مذاہب ماقبل میں ''کتاب'' کا ہے جو محولہ بالا آیت کے الفاظ ''اوحینا'' اور ''وصّینا'' سے ثابت ہے نیز قرآن مجید کی یہ تعبیر ''مصدقا لمابین یدیه'' متعدد مقامات پر وارد ہوئی ہے۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:۔

ا۔ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ. مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ. (آل عمران ۳:۳)

''تمہارے اوپر حق کے ساتھ کتاب نازل کی جو تصدیق کرنے والی ہے

اس کی جو اس کے سامنے ہے، اور نازل کیں تورات و انجیل اس سے قبل جو ہدایت ہے لوگوں کے لیے۔ نیز اس نے ''فرقان'' نازل کی''۔

ب۔ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ. لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا. وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ......(المائدۃ ۵:۴۸)

''اور ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی جو اس کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے جو ان ہاتھوں میں ہے اور اس پر نگہبان بھی ہے۔ پس جو کچھ اللہ نے نازل فرمایا ہے اس سے فیصلہ کیا کیجئے۔ جو حق آپ کے پاس آیا ہے اس کے مقابلے میں ان لوگوں کی خواہشات نفس کی پیروی ہرگز نہ کریں۔ ہم نے ان میں سے ہر ایک کے لیے ''ایک راستہ اور ایک طرز'' مقرر کی حالانکہ اگر اللہ چاہتا تو تمہیں ایک ہی ''امت'' بنا تا''۔

یہ آیہ مبارکہ انبیاء کے متعدد ہونے کے ساتھ ان کے پیغام کی وحدت اور اس وحدت کے ساتھ شرع اور منھاج کا ہر قوم کے لیے جدا ہونا بیان کر رہی ہے۔ یعنی شناخت کے ایک مرکزی حوالے کے ساتھ ذیلی اور ضمنی حوالوں کی نشاندہی بھی کر رہی ہے۔ نیز یہ کہ ''شناخت'' کی ''درونی وحدت'' اور ''خارجی کثرت'' اللہ مبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہے۔

ج۔ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًام بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ م بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ. فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ. (الصف ۶۱:۶)

''اور جب عیسیٰ بن مریم نے فرمایا: اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کی جانب سے رسول ہوں اور میں تصدیق کرنے والا ہوں اس تورات کا جو میرے سامنے ہے۔ نیز تمہیں ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا۔ جب وہ ان کے پاس آئے واضح نشانیوں کے ساتھ تو انھوں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے''۔

اس آیہ مبارکہ میں بھی اسلام و پیغمبر اسلام کی شناخت کا بنیادی حوالہ سلسلہ ابراہیمی کے انبیاء اور ان کی کتابوں کا ہے۔

اسلام کی شناخت اور اس کے مرکزی و ضمنی حوالوں کی تشخیص کے بعد ہم ''مسلمانوں'' کی تشخیص کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ اس ضمن میں درج ذیل نکات قابل توجہ ہیں:۔

۱۔ ''مسلمان'' وہ جماعت ہیں جو اسلام قبول کرنے سے وجود میں آئے ہیں گویا نظریاتی سطح پر ان کی شناخت کا حوالہ ''اسلام'' ہے اسلام کی شناخت کے مرکزی اور ضمنی حوالوں پر ہم مختصراً گفتگو کر چکے۔

۲۔ ''مسلمان'' بہ حیثیت جماعت کے اپنی شناخت کا مرکزی حوالہ ''حضرت ابراہیم علیہ السلام'' کی صورت میں رکھتے ہیں:

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ. هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا...... (الحج ۲۲:۷۸)

''تمہارے جد ابراہیم کی ملّت جس نے تمہارا نام ''مسلمان'' رکھا، اس سے پہلے بھی اور اب بھی''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہب کو ''حنیف'' بھی کہا گیا ہے۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا. قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حَنِيفًا ۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ (البقرۃ ۲:۱۳۵)

''وہ کہتے ہیں کہ یہودی بن جاؤ یا نصرانی، ہدایت یافتہ ہوگے، نہیں ان سے کہو بلکہ ملّتِ ابراہیم ہی ''حنیف'' ہے اور وہ مشرکین میں سے نہیں تھے''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد نیز اپنے پوتے حضرت یعقوبؑ کو بھی یہی وصیت کی تھی کہ ان کا خاتمہ ''مسلمان'' کی حیثیت سے ہونا چاہیے۔ نیز حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی اپنی اولاد (بنو اسرائیل) کو یہی وصیت فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۔ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۔ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ۔ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۔ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۔ (البقرۃ ۲:۱۳۲۔۱۳۳)

''نیز ابراہیم نے اپنی اولاد اور یعقوب کو وصیت کی: اے میرے بچو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایک دین کو منتخب کیا ہے پس تم لوگ نہ مرنا مگر حالتِ اسلام پر۔ یا تم اُس وقت موجود تھے جب یعقوب کا وقتِ آخر تھا اور اُنھوں نے اپنے بچوں سے پوچھا تھا: تم لوگ میرے بعد کس کی عبادت کروگے؟ تو اُنھوں نے جواباً کہا: ہم آپ کے معبود اور آپ کے آباء ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کے الٰہ کی عبادت کریں گے جو کہ واحد ہے، اور ہم اُسی کے ''مسلمان'' ہیں''۔

۳۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی بعثت کے دوران تبلیغ فرمائی تو اس کے نتیجے میں مختلف قبائل اور مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے حضرات مسلمان ہوئے، جن کی ''شناخت'' کا ایک حوالہ اُن کا وہ قبیلہ یا علاقہ تھا جس سے وہ تعلق رکھتے تھے۔ ''اُمت'' کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ لوگ اپنے بنیادی حوالوں ''اسلام اور مسلمان'' کو اختیار کرنے کے بعد اپنے ضمنی اور ذیلی ''شناختی حوالوں'' کو مٹادیں، بلکہ امت کا مفہوم یہ ہے کہ بنیادی اور مرکزی حوالۂ شناخت یعنی ''اسلام و مسلمان'' کو دوسرے ''شناختی حوالوں'' پر ترجیح اور تفوق حاصل رہے۔ کیونکہ ضمنی اور ذیلی حوالے ہمارے ایک دوسرے سے متعارف ہونے کا ذریعہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۔ (الحجرات ۴۹:۱۳)

''اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد و عورت سے خلق کیا اور تمہیں خاندان اور قبیلوں میں قرار دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو''۔

تاریخ اور رجال کی کتابوں میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کے اسماء پر غور کریں تو یہ ''ذیلی نسبتیں'' آپ کو نظر آئیں گی جو باقی رہیں مثلاً بلال حبشیؓ، صہیب رومیؓ، ابوہریرہ دُوسیؓ، ابوحذیفہؓ الیمانی وغیرہ۔

۴۔ ''اسلام اور مسلمان'' کے قوی ترین شناختی حوالے میں چار امور کو بہت اہمیت حاصل ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ان کے اشتراک ہی سے ''شناختی وحدت'' حاصل ہوتی ہے یعنی توحید، نبوت، قرآن اور آخرت۔

انھی چار امور اور ان کے متعلقات کی تشریح و تعبیر سے امت مسلمہ میں مکاتب فکر پیدا ہوئے، جن کو دو بڑے خانوں میں تقسیم کیا جاسکتا

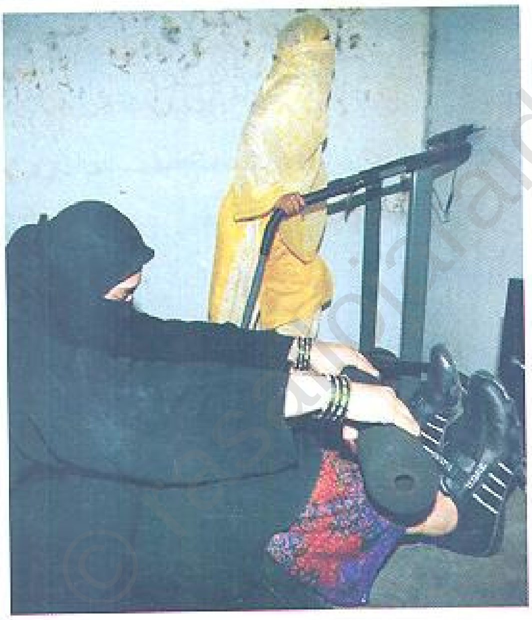

ہے (۱) عقائدی یا کلامی (۲) فقہی۔ اگر ان مکاتب فکر پر لکھی جانے والی تواریخ پر نظر کریں تو بے شمار کلامی مکاتب ہمارے سامنے آتے ہیں۔ اسی طرح متعدد فقہی مکاتب طول تاریخ میں ظہور پذیر ہوتے رہے اور بالآخر جعفری، حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، زیدی اور اباضی فقہوں کی مدوّن صورت میں سامنے آئے۔ ان سب میں دو باتیں مشترک ہیں: (۱) ان کا مرکزی شناختی حوالہ ''اسلام'' ہے (توحید نبوت، قرآن، آخرت) (۲) امتیازی امور یعنی مابہ الامتیاز وہ عقائد، نظریات، تشریحات کلامی یا فقہی مسائل ہیں جو ایک مکتب فکر کو دوسرے سے ممتاز کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے دیکھیں تو یہ تمام مسالک ''مرکزی شناختی حوالے'' میں اشتراک کی وجہ سے ایک ہیں اور اپنے ذیلی شناختی حوالوں کے لحاظ سے مختلف و منفرد بھی۔ نظری سطح پر اسلام ایسی شناخت کی حوصلہ افزائی اس وقت تک کرتا ہے جب تک ''ذیلی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شناختی حوالہ" اس مسلک کے ماننے والوں کے لیے "مرکزی شناختی حوالے" پر حاوی نہیں ہوتا بلکہ ماتحت رہتا ہے۔ اگر اس کے برعکس ہو تو اسلام اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا. (آلِ عمران ۳:۱۰۳)

"اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور فرقے فرقے نہ ہو"۔

اس کی تفسیر میں علماء نے لکھا ہے:

قال ابن مسعود حبل الله القرآن ورواه علي وأبو سعيد الخدري عن النبي (ﷺ) وعن مجاهد وقتاده مثل ذلك (۲) العهد أو القرآن أو الدين أو الطاعة أو اخلاص التوبة، أو الجماعة أو اخلاص التوحيد او الاسلام، اقوال السلف يقرب بعضها من بعض. (۳)

دونوں عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ حبل اللہ سے مراد دین ہے، قرآن ہے اور اس پر ایمان لانے کے لوازمات ہیں۔ یہ بنیادی شناخت ہے جسے ہرگز نہیں چھوڑنا ہے۔ رہے ذیلی اور ضمنی حوالے تو وہ باقی رہیں گے۔

"ذیلی شناختی حوالے" کئی قسم کے ہو سکتے ہیں اور "مسلم مسالک" میں موجود بھی ہیں مثلاً:

۱۔ قبائلی حوالہ: نہ صرف سرزمین عرب بلکہ اس کے باہر بھی بیشتر مقامات پر قبائلی نظام نہ صرف رائج تھا بلکہ اب بھی رائج ہے۔ قبائلی نظام میں ان کی اپنی رسوم و رواج، نظم وضبط، ایک خاص قسم کی عصبیت، نام رکھنے کے طریقہ وغیرہ رائج ہوتے ہیں۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ان قبائل کے لیے اپنے امور میں اتنی تبدیلی لانی ضروری سمجھی گئی کہ یہ امور اسلامی تعلیمات کے مطابق ہو جائیں۔ عہد نزول قرآن میں تو ہم دیکھتے ہیں کہ عرب کے قبائلی نظام کی بیشتر باتوں کو بعض صورتوں میں ضروری تبدیلی کے بعد من وعن قبول کر لیا گیا۔ مسلمان ہونے والوں کے ناموں کے ساتھ اُن کے قبائل کا ذکر ویسا ہی موجود رہا نیز وہ اپنی قبائلی ثقافت کے مطابق لباس اور بود و باش اختیار کیے رہے اور اس میں کوئی ترمیم ضروری نہیں سمجھی گئی۔ مسلمان فاتحین جن مختلف مقامات پر پہنچے لوگوں نے اسلام بھی قبول کیا لیکن ان کی مقامی ثقافت کو تبدیل نہیں کیا۔ اور نہ ہی اس کی ضرورت تھی۔

۲۔ موجودہ دور میں مسلمان یورپ، امریکہ کے ساتھ ساتھ تقریباً ہر اس جگہ رہتے ہیں جہاں انسانی آبادی معلوم ہے۔ ان مقامات پر "مسلمان ثقافت" اور "غیر مسلم ثقافت" کے مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ یہ سوالات ومسائل بنیادی اور مرکزی حوالۂ شناخت یعنی اسلام کے بارے میں نہیں ہیں۔ وہ باقی ہے، غلطی یہ ہو رہی ہے کہ "ثقافتی شناخت" جس کی وحدت پر زور دیا جا رہا ہے وہ ایک "ذیلی شناخت" ہے جو ہر علاقے اور ہر عمرانی اکائی کی علیحدہ علیحدہ ہوتی ہے اور ہو سکتی ہے۔ جب تک یہ "عمرانی اکائیاں" اپنی "مرکزی شناخت" سے وابستہ رہتی ہیں ان پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ مسئلے کی جڑ اس تصور میں پیوستہ ہے کہ "ثقافتی" "تنوع کو ذیلی شناختیں ماننے کی بجائے انہیں مرکزی شناختی حوالے کے طور پر اختیار کیا جائے اور اس میں عصبیت سے کام لیا جائے۔ اس ضمن میں مقدمہ ابن خلدون کے باب ۲ کی فصول ۱۲ تا ۲۲ کا مطالعہ مفید ہوگا۔

۳۔ کلامی وفقہی مذاہب کی "شناخت" کے حوالے سے متعدد "نظری" اور "ظاہری" صورتیں نظر آتی ہیں جنہیں ہم وسیع تناظر میں دیکھنا چاہتے ہیں، لیکن اس کی واضح شکل ان مذاہب ومسالک کے ناموں کے تجزیے سے حاصل ہو سکتی ہے۔

فقہی مکاتب کے ناموں پر غور کریں۔ ان میں کسی شخص/امام کو مرکزی حیثیت حاصل ہے مثلاً حنفی امام ابوحنیفہؒ کی نسبت سے، جعفری امام جعفر صادقؒ کی نسبت سے، اسی طرح مالکی، شافعی اور حنبلی بالترتیب امام مالکؒ، امام شافعیؒ، اور امام احمد بن حنبلؒ کی طرف منسوب ہیں۔ ان میں سے کم

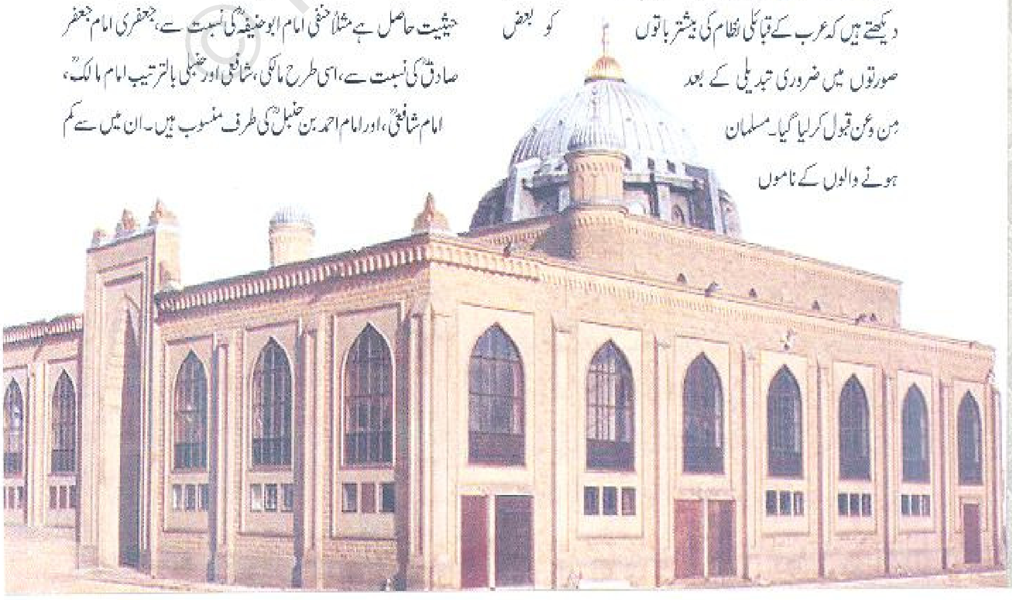

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک عرب ملک میں مغربی مشروب کی تشہیر

ازکم دو کی شناخت کے دیگر حوالے بھی ہیں مثلاً حنفی حضرات کو اہل الرائے اور عراقی بھی کہا گیا کیونکہ انکی فقہ میں عقل ورائے کو بھی اہمیت حاصل تھی اور امام ابوحنیفہؒ عراق میں قیام پذیر تھے۔ اسی طرح فقہ جعفریہ کو فقہ امامیہ بھی کہا گیا کیونکہ اس مکتب کی بنیاد بارہ اماموں کو ماننے اور مخصوص نظریۂ امامت پر ہے۔ جہاں تک ثقافتی شناختوں کا تعلق ہے تو فقہ جعفریہ ہو یا فقہ حنفیہ ان کے پیروکار ہر ثقافت میں پائے جاتے ہیں لیکن ان کی ثقافتی زندگی کا تعلق فقہی مکتب سے وابستگی پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

البتہ فقہی مکاتب ہوں یا کلامی مکاتب، ان سے پھوٹنے والے ذیلی گروہ وجماعتیں اپنی اپنی ظاہری شناختیں اختیار کرسکتی ہیں جیسے مخصوص طرز کی داڑھی، مخصوص رنگ کا عمامہ یا ٹوپی، یا مخصوص قسم اور طرز کا جبہ وغیرہ۔ یہ ذیلی شناختی علامتیں اور اوضاع نہ مذہب یا مسلک کا جز ہوتے ہیں اور نہ ہی عموماً ان کی مذہبی حیثیت ہوتی ہے۔ لیکن بعض شناختی علامتیں اور حوالے ثقافت کی بجائے کسی خاص مکتبہ فکر سے وابستہ ہوتے ہیں۔ مثلاً مسجد کے دروازے پر اور اندر بھی نبی کریم ﷺ پر درود وسلام تحریر کرنا، مسجد کے دروازے اور محراب پر چاروں خلفائے راشدینؓ کے نام تحریر کرنا۔ یا مسجد کے دروازے پر یااللہ۔ یا محمدؐ۔ یا علیؑ لکھنا اور محراب پر یا دیواروں پر ائمہ اہل بیتؑ کے نام وغیرہ تحریر کرنا۔ یہ دراصل معتقدات کے اظہار اور اس عمارت کے کسی خاص مسلک سے وابستہ ہونے کی علامتیں ہیں۔ لوگ اپنی رہائش گاہوں میں بھی اس قسم کی علامتوں کا استعمال کرتے ہیں، جن سے تزئین وآرائش کے علاوہ معتقدات کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ مثلاً گھر کے اوپر ''علم'' لگانا، سبز رنگ کا پرچم لگانا، جس پر نبی کریم ﷺ کے لیے صلاۃ وسلام تحریر ہو۔ گھر کے اندر ایسے طغرے اور تحریریں آویزاں کرنا جو خاص معتقدات کو ظاہر کرتی ہوں۔

رفتہ رفتہ ایسی علامتیں ''شعائر'' کا درجہ حاصل کرلیتی ہیں اور عوام الناس انھیں ''مذہبی شعائر'' کے طور پر قبول کرلیتے ہیں اور اس کے بارے میں ''حمیت'' کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ علم وشعور کی ترقی کے ساتھ ان کو چیلنج کرنے والا طبقہ بھی وجود میں آتا ہے اور بعض نئی علامتیں یا شعائر بھی سامنے آتے ہیں۔

حواشی

۱- (David J. Schneider, *Introduction to Social Psychology*, 1988, HBJ, USA, p.115)

۲- القرطبی (ایران: انتشارات ناصر خسرو) الجزء ۲، ص ۱۵۹

۳- ابوحیان، تفسیر البحر المحیط (بیروت: دار احیاء التراث العربی طبع ندارد)، ج ۴، ص ۱۷

© rasailojaraid.com